کینسر

اوریا مقبول جان

غصے اور جذبات کی شدت اور نفرت کے زہر میں بجھا ہوا یہ فقرہ نیو یارک ٹائمز کی 19 اگست کی اشاعت میں شائع ہوا۔ یہ فقرہ کسی مضمون نگار، تبصرہ نگار، شاعر، ادیب یا صحافی کا نہیں تھا کہ ہم اسے ایک خواہش، خیال، آرزو یا مستقبل کا خواب سمجھ لیں۔ یہ فقرہ کسی سیاسی لیڈر کی دھواں دھار تقریر کا حصہ بھی نہیں کہ اسے جذبات کی رو میں بہہ جانے کی رعایت دے دی جائے۔ یہ تو افغانستان اور عراق میں ہزاروں کی تعداد میں موجود قتل وغارت کا بازار گرم کرنے والی تنظیم بلیک واٹرز کے ایک منحرف رکن کا تھا۔ جہاں اس نے اپنی تنظیم کے اور بہت سے راز افشا کیے ہیں جن میں بچوں اور بچیوں کو زبردستی جنسی کاروبار میں الجھانا، سرعام وحشیانہ طریقے سے قتل، لوگوں میں فرقہ وارانہ اور لسانی بنیادوں پر فساد کرانا شامل ہیں۔ وہیں اس نے اپنی ٹریننگ کے دوران بار بار دہرائے گئے، یاد کرائے گئے اور اس کی زندگی کے مقصد کے طور پر اسے بتائے گئے یہ الفاظ بلیک واٹر اور موجودہ Xe (زی) تنظیم کا ہدف متعین کرتے ہیں۔ منحرف رکن نے کہا ”میں ایک عیسائی صلیبی جنگجو ہوں اور میرا مقصد مسلمانوں اور اسلام کے دین کو اس صفحۂ ہستی سے ملیامیٹ کرنا ہے۔“ یہ فقرہ ان جنگجوؤں میں سے ایک کا ہے جو جدید ترین ہتھیاروں سے لیس اگست 2002ء میں پچھتر ہزار کی تعداد میں افغانستان میں اتارے گئے جب کہ ان کے مقابل وہاں افواج کی تعداد صرف اڑتالیس ہزار تھی۔ ان خونخوار درندوں کی عراق میں کل تعداد ایک لاکھ تیس ہزار کے لگ بھگ ہے۔ یہ لوگ ٹارگٹ کلنگ میں دنیا بھر میں سب سے زیادہ مہارت رکھتے ہیں۔ امریکی عدالتوں میں اس تنظیم کے دو افراد نے عراق میں خانہ جنگی پھیلانے کے لیے کردوں اور دیگر گروپوں کو اسلحے کی سمگلنگ کا اعتراف کیا ہے۔ ان پر کم سن بچیوں کو اپنے سپاہیوں کو عیاشی کے لیے زبردستی استعمال کرنے، چھوٹے بچوں کو زبردستی جنسی تشدد کا نشانہ بنانے اور سرعام نہتے عوام پر دہشت پھیلانے اور بے تحاشا قتل کرنے کے الزامات ہیں۔ ان کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ یہ امریکی سی آئی اے کے پروگرام Extraodinary Rendition کے لیے استعمال ہونے والی پرائیویٹ سکیورٹی تنظیم ہے۔ جس پروگرام کا مقصد دنیا بھر میں اپنے مخالفین کو صفحۂ ہستی سے مٹانا ہے۔ یہ جس ملک میں بھی بھیجے گئے وہاں کی اعلیٰ شخصیتوں کو ڈھونڈ کر انہیں نشانہ بنا کر قتل کرتے رہے۔ ان پر یہ بھی الزام ہے کہ یہ مسلمان ملکوں میں فرقہ وارانہ اور نسلی

کشیدگی بڑھانے کے لیے وہاں کی اہم شخصیات کو قتل کرتے ہیں اور پھر ان دونوں گروپوں کے درمیان خونریزی کو ہوا دینے کے لیے اسلحہ بھی فراہم کرتے ہیں اور خود بھی قتل کرنے سے دریغ نہیں کرتے۔

اس سکیورٹی ایجنسی کے ایک فرد پر ٹریننگ اور تنخواہ کا خرچہ ایک امریکی میرین سے دس گنا زیادہ ہے اور عموماً ان کی تنخواہ چھ ہندسوں یعنی ایک لاکھ ڈالر سے زیادہ ہوتی ہے۔ لیکن اب ان کرائے کے فوجیوں اور کرائے کے قاتلوں کی صرف یہ ایک تنظیم نہیں جس پر امریکی انتظامیہ کا انحصار ہو۔ انہی امریکی محکمۂ دفاع Amed DoD contrators کہتا ہے اور ان کو بھرتی کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اس طرح وہ عالمی اور امریکی مقامی قوانین سے بالاتر ہو جاتے ہیں۔ ایک امریکی فوجی اگر قتل کرتا ہے تو اسے عدالت اور کانگریس کے سامنے جوابدہ ہونا پڑتا ہے جب کہ ان سکیورٹی ایجنسیوں کے قاتلوں کو ایک پرائیویٹ کمپنی کا معاملہ تصور کیا جاتا جسے اس ملک کے قانون کے مطابق سزا دی جاسکتی ہے جہاں یہ جرم ہوا ہے اور اس ملک میں پہلے ہی اپنی کاسہ لیس بے غیرت حکومتوں کو برسرِ اقتدار لایا جاتا ہے جیسے افغانستان اور عراق۔

27 جولائی کو ایک مغربی خبر رساں ایجنسی نے عالمی میڈیا میں پہلی دفعہ بلیک واٹر یا Xe کی پاکستان کے شہر پشاور میں موجودگی کی خبر دی۔ یہ ایجنسی DEUTSCHE PRESS-AGENTUR(DPA) ہے اور آج دو ماہ گزرنے کے بعد یہ میرے ملک کے طول و عرض میں کینسر کی طرح پھیلتے جا رہے ہیں۔ اس ملک کے دارالحکومت اسلام آباد میں اہم ترین سیکٹروں میں اس وقت معلومات کے مطابق 228 گھر ایسے ہیں جہاں ان کا بسیرا ہے۔ E-7 میں ڈاکٹر قدیر خان کی رہائش کے آس پاس دو گھر کسی مخصوص مقصد کے لیے خرید گئے ہیں جو ہوسکتا ہے انہیں قتل کرنا یا اغوا کرنا ہو۔ E-6 میں 37 گھر، G-6 میں 40، F-7 میں 47، F-8 میں 48، F-10 میں 20، F-11 میں 25، I-8 میں 9 گھر ایسے ہیں جن کے اردگرد رکاوٹیں کھڑی کردی گئی ہیں۔ ان کی چھتوں پر سیٹلائٹ سے منسلک آلات نصب کر دیے گئے ہیں۔ کراچی کے علاقے خیابان راحت میں انھوں نے اپنا دفتر بنا لیا ہے اور پشاور کی چنار روڈ پر اور یونیورسٹی ٹاؤن کے علاقے میں ان کی سرگرمیاں اب کھلے عام نظر آتی ہیں۔ مغربی میڈیا میں پانچ سو HUMVEES گاڑیوں کی آمد کی اطلاع ہے اور ان کی تصاویر بھی شائع ہوگئی ہیں۔ ان گاڑیوں پر گولیاں، گرنیڈ یا راکٹ لانچر اثر نہیں کرتے۔ یہ شہری علاقوں میں انسانوں کا قتل عام کرنے لے لیے استعمال ہوسکتی ہیں۔ یہ گاڑیاں ابھی پورٹ قاسم ہیں اور ان کی ترسیل آہستہ آہستہ ہر علاقے کی ضروریات کے مطابق کی جائے گی۔

اب ذرا 27 جولائی کے آس پاس کے زمانے سے اس ملک کے حالات کا جائزہ لیں۔ ٹارگٹ کلنگ کے واقعات میں اضافہ، سیاسی اور مذہبی کارکنوں اور لیڈروں کا قتل شروع ہوا۔ توہین قرآن کے نام پر بستیاں جلانے اور گھروں کو نذرِ آتش کرنے کا عمل شروع ہوا۔ لسانی بنیاد پر قتل بڑھے۔ قادیانی جو مغرب کی آنکھ کا تارا ہیں ان کے حق میں اور انہیں

مظلوم ثابت کرنے کے لیے لیڈروں کے بیانات آنا شروع ہوئے۔ ملک میں خونریزی کی لہر شروع ہوئی۔ ادھر لوگوں کی توجہ ان کی آمد سے ہٹانے کے لیے میڈیا کے دانشوروں، اینکروں پرسنوں اور سیاسی رہنماؤں نے کبھی 1988ء کے گڑے مردوں پر بحث کی اور کبھی سترھویں ترمیم اور پرویز مشرف زیر بحث رہا۔ آٹا اور چینی کی لائنوں کی دھکم پیل موضوع بنی رہی۔ حالانکہ کسی کو علم نہیں کہ اگر یہ خونخوار درندے یہاں قدم جما گئے تو پھر لوگ لائن میں دم گھٹنے سے نہیں ان کی اندھا دھند فائرنگ سے مریں گے۔ یہ ابھی سے اس ملک میں اس قدر بے رحم ہیں کہ انھوں نے اگست کے مہینے میں اسلام آباد کے ایک شہری محسن بخاری کو آب پارہ کے علاقے میں اس لیے بری طرح مارا کہ اس نے اپنی گاڑی ان کے آگے لا کھڑی کردی تھی تھی۔ ایسے واقعات کی ایک الگ تفصیل ہے۔

ضمیروں کی خرید و فروخت کے اس موسم میں جہاں دانشوروں، ادیبوں، سابق فوجیوں، بیوروکریٹوں اور اینکر پرسنوں کے ضمیر خریدے جارہے ہوں۔ جہاں میڈیا کا منہ ڈالروں کی بارشوں سے بند کردیا جائے اور اہل اقتدار کا ضمیر مصلحتوں کا شکار ہوجائے۔ وہاں لوگوں کو اس طوفان سے باخبر رکھنا بھی شاید کل تک بہت مشکل ہوجائے۔ ایسے میں ایک بات عرض کردوں اس طوفان کی زد میں گھر صرف عام آدمی کا جلے گا، تباہ صرف عام لوگوں کی بستیاں ہوں گی۔ معصوم بچے اور بچیاں صرف عام لوگوں کے ہوں گے جو جنسی تشدد کی بھینٹ چڑھیں گے۔ فسادات کی آگ عام انسانوں کو جلا کر راکھ کرے گی۔ کس قدر بے حس اور بدقسمت ہوتی ہے وہ قوم جسے طوفان کی اٹھتی ہوئی لہریں نظر آجائیں اور وہ اپنے آپ کے بچاؤ کے لیے بند نہ باندھیں۔ جسے کینسر کا آغاز ہی میں پتہ چل جائے اور وہ اس گلٹی کو کاٹ کر بدن سے دور نہ پھینک دے۔

(روزنامہ ''ایکسپریس'' 17؍ستمبر 2009ء)